(50)

دینی کاموں میں دوام کی ضرورت

(فرمودہ ۱۸ جولائی ۱۹۱۹ء)

حضور انور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"انسان اپنے آرام اور اپنی راحت کے لیے بہت کچھ کوشش کرتا ہے۔ اور بڑی بڑی مشکلوں اور سختیوں سے گذرتا ہے۔ ایسے شخص کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نادان ہے۔ کیونکہ آرام حاصل کرنے کے لیے تکلیف اُٹھاتا اور مشکلات برداشت کرتا ہے۔ تکلیف اور آرام تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آرام تکلیف نہیں بن سکتا۔ اور تکلیف آرام نہیں ہو سکتی۔ لیکن پھر بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں آدمی کیسا نادان ہے۔ کہتا ہے آرام حاصل کرنے کے لیے تکلیف اُٹھا رہا ہوں۔ مثلاً علم حاصل کرنے والا راتوں کو جاگتا۔ اور اپنا آرام قربان کر کے علم پڑھتا ہے۔ اس سے اگر پوچھو کہ تو کیوں تکلیف اُٹھاتا ہے تو وہ کہے گا۔ آرام حاصل کرنے کے لیے۔ اس موقع پر ان لوگوں کو جانے دو۔ جو علم۔ علم کے لیے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ آجکل اکثر وہی ہوتے ہیں۔ جو آرام اور دولت حاصل کرنے کے لیے علم پڑھتے ہیں۔ تو ایک ایسا شخص جو عزت۔ دولت۔ وسعت اور آرام کے لیے پڑھنے کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اسے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم سُکھ حاصل کرنے کے لیے دُکھ میں کیوں پڑتے ہو۔ وہ آئندہ ملنے والے سُکھ کے لیے فوری دُکھ میں پڑتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ دُکھ عارضی ہے۔ اور وہ سُکھ اس کی ساری زندگی تک چلا جائیگا۔ جس طرح دنیاوی سُکھ حاصل کرنے کے لیے انسان کو تکالیف میں پڑنا پڑتا ہے۔ اس طرح دین کے معاملہ میں بھی بہت سی تکالیف سے گذرنا پڑتا ہے اور میرے خیال میں تو ایک رنگ میں جہنم سے گذرنا پڑتا ہے۔ دینداروں کے لیے تو پہلے ہی قرآن نے یہ فتویٰ دیدیا ہوا ہے کہ دُنیا میں ان کے ایمانوں کی آزمائش کی جاتے گی۔ اور ان کے اقوال کو جانچا جائیگا۔ اور انکے دعووں کو اس طرح پرکھا جائیگا جس طرح لوہے کو آگ میں ڈال کر پرکھا جاتا ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ادھر کوئی ایمان لاتے اور ادھر اسے آرام و آسائش حاصل ہو جاتے ادھر اسلام قبول کرے۔

اور ادھر اسے دنیا کی آسائش حاصل ہو جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی سچے دل سے ایمان لاتے۔ تو اسے قلبی راحت اور سکھ مل جاتا ہے، مگر دنیاوی نہیں ملتا۔ چنانچہ قرآنِ کریم کہتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۳) کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہہ دینے سے انہیں چھوڑ دیا جائیگا کہ ہم ایمان لاتے۔ حالانکہ ان کی آزمائش نہیں کی جائیگی۔ ان میں سے کھرے اور کھوٹے کو علیحدہ نہیں کیا جائیگا۔ مضبوط اور کمزور کو جدا نہیں کیا جاتے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا اس طرح نہ کبھی پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہوگا۔ یہ تو قرآنِ کریم کا فتویٰ ہے۔ پھر ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے سچا دین قبول کیا۔ ان کے لیے فوراً ہی آرام اور سکھ کا راستہ نہیں کھولا گیا۔ بلکہ پہلے پہل تو یہی ہوا کہ جو کچھ ان کے پاس تھا۔ وہ بھی انہیں دینا پڑا۔ اگر کچے گھروں والے تھے۔ تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے محل بن جاتے۔ وہ گھر بھی انہیں چھوڑنے پڑے۔ اگر قوموں میں معزز تھے۔ تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ بادشاہ اور حکمران بن جاتے انہیں پہلی عزتیں بھی چھوڑنی پڑیں اور ذلیل سمجھے گئے۔ اگر مالدار تھے۔ تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کا مال دُگنا۔ چوگنا۔ بیس گنا اور ہزار گنا ہو جاتا۔ اس کو بھی ترک کرنا پڑا۔ اگر لوگوں سے تعلقات تھے۔ تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے تعلقات وسیع ہو جاتے۔ وہ بھی کٹ گئے۔ غرض جو راحت آرام۔ عزت۔ دولت۔ طاقت اور رسوخ انہیں حاصل تھا۔ وہ بھی جاتا رہا اور بجائے فوراً سکھ ملنے کے بظاہر انہیں دُکھ ملا۔ یہی حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت ہوا۔ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت ہوا۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت تو یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ ان لوگوں نے گھبرا کر کہدیا۔ موسیٰ تمہارے آنے سے ہمیں نقصان ہی پہنچا ہے۔ تُو تو کہتا تھا کہ تمہیں کنعان کی زمین ملے گی۔ تم بادشاہ بنائے جاؤ گے۔ ابراہیمؑ کو جو وعدے دیئے گئے تھے۔ وہ تم سے پورے کئے جائیں گے۔ تم ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کے وارث بنو گے، لیکن ہم تو تیری وجہ سے اپنے باپ دادا کی وراثت سے بھی جاتے رہے۔ پہلے سے زیادہ مشقت برداشت کر رہے ہیں۔ تو چونکہ حضرت موسیٰؑ کو قبول کرنے پر فوراً ان کے دُکھ بڑھ گئے۔ اس لیے وہ اس مسئلہ کو جانتے تھے کہ محبوب کی خاطر تکلیف اُٹھانے سے ہی انعام ملتا ہے۔ انہوں نے تو پیش آنے والی مشکلات کو صبر اور استقلال سے برداشت کیا۔ لیکن جو اس نکتہ سے ناواقف تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ موسیٰؑ کا آنا ہمارے لیے تکلیف اور مصیبت کا باعث ہوا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے وقت ہوا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری سنت ہے۔ اس لیے ہم خیال نہیں کر سکتے کہ کسی نبی کے وقت بھی اس کے خلاف ہوا ہو، بلکہ

اسی طرح ہوتا رہا ہے۔ کہ ابتداء میں نبیوں اور ماموروں کے ماننے والے دُکھوں اور تکلیفوں میں ڈالے گئے اور اس کے بعد انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ تو ان ابتلاؤں کی بات ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے۔ مگر ان کے علاوہ اور بھی ابتلاء ہیں۔ جو بندہ خدا کے حکم کے ماتحت خود اپنے اوپر وارد کرتا ہے مثلاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صدقہ۔ اخلاقِ فاضلہ اور دیگر تمدن و معاشرت کے متعلق احکام کی پابندی۔ یہ بھی ایک قسم کے ابتلاء ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان فطرتاً آرام کی خواہش کرتا ہے، لیکن ان باتوں کے لیے اُسے کچھ نہ کچھ محنت اور تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ والی آیت میں جن ابتلاؤں کا ذکر ہے۔ وہ تو کچھ مدت کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اسی آیت میں بتا دیا ہے کہ اسی وقت تک ہوتے ہیں جب تک انسان کا تجربہ اور آزمائش نہ ہو لے۔ جب ہو جاتے تو پھر ان سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ مال و دولت۔ حکومتیں اور بادشاہتیں۔ رشتہ دار اور تعلق دار سب مل جاتے ہیں۔ اور پہلے سے بہت زیادہ مل جاتے ہیں۔ مگر یہ ابتلاء جو انسان خود اپنے نفس پر وارد کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور اس وقت تک کہ رُوح جسم سے نکل نہیں جاتی ساتھ ہی رہتے ہیں، لیکن ان کی وجہ سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ علم کے حاصل کرنے کیلئے رات کو پڑھنے والا دُکھ اور تکلیف میں پڑا ہوا ہے۔ کیونکہ پڑھنے کی تکلیف اُٹھانے کا زمانہ اس زمانہ کے مقابلہ میں تھوڑا ہوتا ہے جس میں علم سے آرام حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ زندگی جس میں آرام پانے کی خاطر انسان اپنے اوپر ابتلاء وارد کرتا ہے۔ چونکہ دُنیا کی زندگی کے مقابلہ میں بہت بڑی ہوتی ہے اس لیے اس کے لیے کوئی محنت برداشت کرنا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا نہیں ہوتا۔ پھر جس طرح علم حاصل کرنے والے کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیوقوف ہے۔ آرام کرنے کی بجائے راتوں کو جاگتا اور محنت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کے فضل اور رحمت کو ڈھونڈھنے والا نادان ہے کہ کئی قسم کے ابتلاء اپنے اوپر ڈال لیتا ہے۔ کیونکہ جو نسبت علم حاصل کرنے کے زمانہ کو آرام اور فائدہ حاصل کرنے کے زمانہ سے ہے۔ اس سے بہت زیادہ اس زمانہ کو جو انسان اس دُنیا میں گذارتا ہے۔ اس زندگی سے ہے۔ جو آیندہ ملنے والی ہے۔ کیا بلحاظ عزت اور رُتبہ اور فائدہ کے اور کیا بلحاظ عرصہ اور مدت کے وہ زندگی اس قدر بڑھی ہوتی ہے کہ دُنیا کی زندگی اس کا کچھ مقابلہ ہی نہیں کر سکتی۔ پس نادان ہے وہ شخص جو یہ کہے کہ آیندہ کی زندگی حاصل کرنے کے لیے کون ان ابتلاؤں میں پڑے اور مصیبت اُٹھاتے۔ کسی نے کہا ہے ؎

دردِ سر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید ۔۔۔ اُس کا گھِسنا اور لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے

لیکن یہ نادانی کی بات ہے۔ بیشک گھسنا دردِ سر ہے مگر جس دردِ سر کے لیے صندل کا لگانا مفید ہے اس کے لیے اگر گھسنے اور لگانے کا درد برداشت نہ کیا گیا تو وہ بہت بڑھ جائیگا۔ اور پھر بہت تکلیف کا موجب ہوگا۔ اسی طرح بے شک علم پڑھنا تکلیف کا باعث ہوتا ہے، لیکن نہ پڑھنا ساری زندگی کی تکلیف کا موجب بنتا ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور دوسرے دین کے احکام پر عمل کر کے پُورا مسلمان بننا مشکل ہے۔ کیونکہ بہت دفعہ عزت۔ مال اور رشتہ دار راستہ میں روک بن جاتے ہیں۔ بہت دفعہ خیالی غیرت روک بن جاتی ہے۔ اور بہت دفعہ نفسانی خیالات اور خواہشات روک بن جاتی ہیں۔ مگر باوجود اس کے پورا مسلمان بننے سے ثمرات ملتے ہیں۔ وہ چونکہ بہت بڑے ہیں۔ اس لیے کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ دینی احکام کو بجا لانے کی تکلیف برداشت نہیں ہوسکتی، لیکن چونکہ دُنیا میں دس پندرہ سال محنت کر کے علم حاصل کرنے کے بعد فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اور مذہب کے متعلق جیسا کہ میں نے بتایا ہے جب تک جان میں جان ہو۔ اس وقت تک محنت اُٹھانا پڑتی ہے۔ اس لیے بہت لوگ اس محنت کو برداشت کرنے سے گھبرا جاتے ہیں۔ ابھی جو بہت بڑی جنگ ختم ہوئی ہے۔ اس میں جو طاقتیں لڑ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے نوجوانوں کو اس لڑائی کی بھٹی میں پھینک دیا۔ اپنے بوڑھے تجربہ کار لوگوں کو اس میں ڈال دیا۔ اپنے ملک کی پیداواروں۔ صنعت و حرفت۔ تجارت اور زراعت غرض جو کچھ کسی کے پاس تھا۔ اسی کو اس آگ میں ڈال دیا گیا۔ اور کسی چیز کی قربانی کرنے سے دریغ نہ کیا گیا۔ مگر ان لڑنے والی طاقتوں میں سے ہر ایک کا یہی قول ہوتا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں لڑائی ختم ہوجائیگی اور زیادہ سے زیادہ سات سال کا اندازہ لگایا جاتا تھا تو چونکہ ان کے سامنے تھوڑا عرصہ تھا جس میں انہیں محنت کرنا تھی اس لیے سخت سے سخت محنت بھی انہوں نے برداشت کی۔ تاکہ اس تھوڑے عرصہ کی محنت کا فائدہ بہت دیر تک اُٹھا سکیں۔ ان ممالک کے بڑے بڑے آدمی جب نوجوانوں کو خدمت کے لیے بُلاتے تو کہتے کہ یہ چند روزہ بات ہے۔ پھر آرام حاصل ہوجائے گا۔ اس سے ان کے جوش بڑھتے اور وہ پورے زور سے کام کرتے ہیں، لیکن جن لوگوں کو اسلام کی خدمت کے لیے بُلایا جاتا ہے۔ ان کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چند دن کے بعد تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔ اگر یہ کہا جائے۔ تو یہ ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ کیونکہ دین کے کام موت کی گھڑی تک چلتے ہیں۔ پس جو شخص تمہیں یہ کہے کہ دین کی خدمت چند سال تک کرنی پڑے گی اور پھر اس سے آزادی حاصل ہوجائیگی۔ وہ جھوٹ کہتا ہے یہ بوجھ ہے یا جو کچھ۔ یہ موت تک کیلئے ہے۔ اگر نماز کچھ سال پڑھنے کے بعد معاف ہوسکتی ہے۔ اگر روزے

کچھ مدت کے بعد معاف ہو سکتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ کچھ عرصہ کے بعد معاف ہو سکتی ہے۔ اگر حج معاف ہو سکتا ہے تو دین کے دوسرے احکام بھی معاف ہو سکتے ہیں، لیکن اگر یہ احکام جو انسان ہی کے فائدہ کے لیے ہیں۔ موت تک ساتھ چلتے ہیں تو پھر کوئی بھی دینی حکم ایسا نہیں۔ جو جُدا ہوتا ہو۔ بے شک بعض احکام ایسے ہیں۔ جن کی حد بندی کر دی گئی ہے۔ مثلاً حج ہے۔ جس پر فرض ہو۔ اگر ایک دفعہ کر لے تو پھر اس پر فرض نہیں رہتا۔ مگر یہ معین کر دیا گیا ہے کہ حج ایک ہی دفعہ کرنا فرض ہے اور جو معین نہیں یعنی نفل کے طور پر حج ہوتا ہے۔ وہ ساری عمر کیا جاتا ہے تو وہ احکام جن کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی۔ بلکہ غیر معین ہیں وہ کسی طرح بھی جیتے جی ہٹ نہیں سکتے۔ اس لیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو ایک خاص نصیحت کرتا ہوں کہ جب وہ دین کی خدمت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو یاد رکھیں کہ ایک دن کے لیے نہیں۔ دو دن کے لیے نہیں بلکہ ساری عمر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، مگر افسوس بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چند دن کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اپنی تاریخ کو دیکھو۔ مثلاً اخباروں کے فائل ہیں۔ ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء میں دو تین آدمی بڑے زور کے ساتھ لکھنے والے ہوں گے، لیکن اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں چلے گا۔ اور پھر اور نکل آئیں گے۔ مگر وہ بھی ایک آدھ سال کے بعد غائب ہو جائینگے۔ غائب ہونے والے مر نہیں جاتے۔ زندہ ہوتے ہیں۔ مگر عملی زندگی سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور ان کے جوش بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح اور کاموں میں نظر آتا ہے۔ چندوں میں بھی یہی حال ہے۔ آج سے پہلے جو شخص زیادہ چندہ دیتے تھے۔ ان میں کمی آگئی۔ مگر اور پیدا ہو گئے۔ جو زور سے دینے لگ گئے یہ علامت ہے اس بات کی کہ انہوں نے سمجھا نہیں کہ دین کی خدمت تمام زندگی میں کرنا ہوتی ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ مدت جو ہم نے کام کیا ہے۔ تو اب ہمارے آرام کا وقت آگیا ہے۔ دراصل انہوں نے اپنے کام کرنے کے وقت کا اندازہ غلط لگایا ہے۔ اور اس غلطی کی وجہ سے انہیں ٹھوکر لگتی ہے دیکھو جس طرح ایک طالب علم جس کے لیے چھ گھنٹے روزانہ سکول میں پڑھنا ضروری ہے وہ اگر دو گھنٹے کے بعد سکول سے چلا آتے۔ تو سزا پائے گا۔ اسی طرح دین کی خدمت کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جو شخص اس سے پہلے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاتا ہے وہ غلطی کرتا اور سخت نقصان اُٹھاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے ایک شخص دریا میں کود کر پار جانے کے لیے تیرتا جاتا ہے، مگر جب کنارے کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ تو بجاتے اس کے کہ آگے بڑھے وہیں آرام کرنے کے لیے ٹھہر جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہیں مگر مچھ ہو اور اسے کھا لے یا پانی بہا

کرلے جاتے۔ اس کے لیے یہی ضروری ہے کہ کنارے پر جاکر آرام کرے۔ اسی طرح وہ شخص جو دین کی خدمت کرتا ہے وہ اگر وقت سے پہلے بیٹھ جاتا ہے۔ تو یقیناً اپنے آپ کو تباہ کرلیتا ہے۔ پس جو لوگ دینی کام کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کام کے لیے دُنیا میں کوئی عرصہ مقرر نہیں کہ کچھ مدت خدمت کرنے پر وہ چھوڑ سکیں۔ دُنیا میں کسی وقت بھی دینی کام کو چھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدھا کام کرکے چھوڑ دے۔ اور بعینہ اس عورت کی مثال ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ خود سوت کاتتی اور پھر خود ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کردیتی۔

خُدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ خدا کے لیے جو خدمت کریں وہ اس کے کرنے میں دوام اور قیام کی طاقت دے اور اس سے ہٹ جانے اور اس کو چھوڑ دینے سے بچائے۔ آمین ؛

(الفضل ۲ر اگست ۱۹۱۹ء)